رشید امجد کے افسانوی مجموعہ "سہ پہر کی خزاں میں" کا نفسیاتی و ادراکی بیانیہ: راوی کی شعوری ساخت کا مطالعہ

Psychological and Cognitive Narrative in Rashid Amjad's Sepehr Ki Khizān Mein: A Study of the Narrator's Consciousness

☆ ڈاکٹر فریدہ عثمان (لیکچرار اردو، محکمہ اعلی تعلیم خیبر پختونخوا)
☆☆ ڈاکٹر محمد عثمان (لیکچرار، شعبہ اردو، اسلامیہ کالج یونی ورسٹی پشاور)
☆☆☆ ڈاکٹر علی شیر (لیکچرار، شعبہ اردو یونی ورسٹی آف بونیر)

Abstract
Rather than functioning as a neutral storyteller, the narrator in Rashid Amjad's *Se Pehar Ki Khizān Mein* emerges as the central site where fictional reality is psychologically constructed. This article examines how memory, inner dialogue, uncertainty, and existential consciousness shape narrative meaning and transform external events into subjective experience. Using close textual reading, the study interprets selected stories through perspectives drawn from cognitive narratology, narrative psychology, fictional minds, theory of mind, and existential psychology. The analysis suggests that the narrative world is organized by patterns of consciousness rather than by the sequence of events. Fragmented memory, reflective thinking, emotional conflict, and shifting perception continuously redefine both the narrator's identity and the structure of the stories. The study argues that Rashid Amjad expands the possibilities of modern Urdu fiction by presenting narration as a dynamic psychological process instead of a simple act of storytelling. This perspective offers a fresh framework for understanding narrative consciousness in contemporary Urdu short fiction.

Keywords: Rashid Amjad, Narrative Consciousness, Cognitive Narratology, Psychological Narrative, Fictional Minds, Existential Psychology, Modern Urdu Fiction...

کلیدی الفاظ: کلیدی الفاظ : نفسیاتی بیانیہ، راوی کی شعوری ساخت، رشید امجد، سہ پہر کی خزاں میں، وجودی نفسیات، داخلی مکالمہ، ادراکی بیانیہ، جدید اردو افسانہ۔

انسانی شخصیت کی تفہیم صرف اس کے ظاہری اعمال سے ممکن نہیں، بلکہ اس کے پس منظر میں کارفرما ذہنی، جذباتی اور ادراکی عوامل کو بھی سمجھنا ضروری ہے۔ یہی عوامل فرد کے افکار، احساسات، رویّوں اور طرزِ عمل کو تشکیل دیتے ہیں، جن کا منظم اور سائنسی مطالعہ نفسیات کے دائرۂ علم میں کیا جاتا ہے۔ چونکہ ادب بھی بنیادی طور پر انسانی تجربے، شعور اور داخلی زندگی کا تخلیقی اظہار ہے، اس لیے انسانی ذہن کی پیچیدگی، جذباتی اضطراب، نفسیاتی کشمکش اور باطنی احساسات ہمیشہ ادبی تخلیق کے بنیادی موضوعات رہے ہیں۔ بالخصوص افسانہ ایسی ادبی صنف ہے جو انسان کی داخلی دنیا کو اس کی تمام فکری، جذباتی اور نفسیاتی جہات کے ساتھ سامنے لاتا ہے۔ جدید افسانہ اسی وجہ سے محض واقعات کے تسلسل تک محدود نہیں رہتا بلکہ انسانی شعور، ذہنی ساخت اور باطنی تجربات کو بھی اپنے فنی نظام کا بنیادی حصہ بناتا ہے۔ جدید بیانیاتی تنقید میں اس

اسلوب کو **شعوری بیانی ساخت یا نفسیاتی بیانیہ** کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس نوع کے بیانیے میں واقعات کی زمانی ترتیب ثانوی حیثیت اختیار کر لیتی ہے، جبکہ بنیادی توجہ اس ذہنی عمل پر مرکوز ہوتی ہے جس کے ذریعے کردار یا راوی اپنے تجربات کو معنی عطا کرتا ہے۔ چنانچہ افسانوی حقیقت خارجی دنیا سے زیادہ داخلی ادراک، یادداشت، خوف، خواہش، تنہائی، اضطراب اور باطنی مکالمے کے ذریعے تشکیل پاتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ قاری کی دلچسپی واقعات کے تعاقب کے بجائے اس ذہنی سفر سے وابستہ ہو جاتی ہے جس کے ذریعے افسانوی دنیا اپنی معنویت حاصل کرتی ہے۔

ادب اور نفسیات کے درمیان تعلق اسی مشترک بنیاد پر قائم ہے کہ دونوں کا مرکز انسان اور اس کی باطنی دنیا ہے۔ نفسیات ان ذہنی اور جذباتی محرکات کا مطالعہ کرتی ہے جو انسانی رویّوں اور فیصلوں کو متعین کرتے ہیں، جبکہ ادب انہی محرکات کو تخلیقی اظہار کی صورت عطا کرتا ہے۔ جب افسانہ نگار احساسِ جرم، خوف، محرومی، خواب، یادداشت، خواہش، تنہائی یا وجودی اضطراب جیسے عناصر کو اپنی تخلیق کا حصہ بناتا ہے تو ادبی اظہار محض جمالیاتی سرگرمی نہیں رہتا بلکہ انسانی شعور اور نفسیاتی تجربے کی تفہیم کا ذریعہ بھی بن جاتا ہے۔ اسی فکری اشتراک نے جدید ادبی تنقید میں نفسیاتی تنقید اور شعور پر مبنی بیانیاتی مطالعے کو ایک مستقل علمی حیثیت عطا کی ہے۔ نفسیاتی بیانیے کی فکری بنیاد جدید نفسیات کے ارتقا سے وابستہ ہے، **جس میں سگمنڈ فرائڈ کا نظریہ** لاشعور بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ فرائڈ نے واضح کیا کہ انسانی شخصیت صرف شعوری فیصلوں کا نتیجہ نہیں بلکہ اس کی تشکیل میں وہ پوشیدہ خواہشات، محرومیاں، احساسِ جرم اور خوف بھی شامل ہوتے ہیں جو لاشعور میں محفوظ رہتے ہیں۔ یہی دبی ہوئی کیفیات مختلف مواقع پر خواب، لغزشِ زبان، یادداشت اور روزمرہ رویّوں کے ذریعے اپنا اظہار کرتی ہیں۔ ادبی متون میں بھی کرداروں اور بیانی شعور کی نفسیاتی ساخت انہی غیر مرئی محرکات سے گہرا تعلق رکھتی ہے۔ اسی لیے خاموشی، تذبذب، اضطراب، بے یقینی اور منتشر ادراک کو صرف اسلوبیاتی خصوصیات قرار نہیں دیا جا سکتا بلکہ یہ ان کے باطنی نفسیاتی نظام کی عکاسی کرتے ہیں، جس کے ذریعے افسانوی دنیا اپنی گہرائی اور معنویت حاصل کرتی ہے۔ نفسیاتی تنقید کی فکری روایت کو مزید وسعت کارل گستاو یونگ نے اپنے نظریۂ اجتماعی لاشعور کے ذریعے عطا کی۔ یونگ کے نزدیک انسانی شخصیت صرف ذاتی تجربات اور انفرادی مشاہدات کی پیداوار نہیں ہوتی بلکہ اس کی تشکیل میں تہذیبی ورثہ، اجتماعی یادداشت اور ثقافتی شعور بھی بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ فرد کے شعور میں ایسے ازلی تصورات اور علامتی نمونے موجود رہتے ہیں جو پوری انسانی تہذیب کے مشترکہ تجربات سے وابستہ ہوتے ہیں۔ اس نظریے نے ادبی کرداروں اور بیانی شعور کی تفہیم کے لیے ایک نیا زاویۂ نظر فراہم کیا، کیونکہ اب کردار کی داخلی ساخت کو صرف نفسیاتی نہیں بلکہ سماجی، تہذیبی اور ثقافتی تناظر میں بھی سمجھنا ممکن ہو گیا۔

Narrative psychology is a perspective in psychology
concerned with the "storied nature of human conduct"[۱]

مزید کہتے ہیں

The story of one's own life is, of course, a privileged
but troubled narrative in the sense that it
is reflexive   the narrator and the central figure in

the narrative is the same”۲

نفسیاتی بیانیے کے معاصر مباحث میں جیروم برونر کی Narrative Psychology کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ برونر کا استدلال ہے کہ انسان اپنی شناخت واقعات کے ذریعے نہیں بلکہ ان واقعات کو معنی دینے کے عمل کے ذریعے تشکیل دیتا ہے۔ انسانی ذہن زندگی کے منتشر تجربات کو ایک مربوط کہانی میں منظم کرتا ہے اور اسی بیانی تنظیم کے ذریعے ماضی، حال اور مستقبل کے درمیان معنوی ربط پیدا کرتا ہے۔ اس نقطۂ نظر کے مطابق بیانیہ محض معلومات کی ترسیل کا ذریعہ نہیں بلکہ انسانی شعور کی تنظیم اور خود شناسی کا بنیادی وسیلہ ہے۔ چنانچہ افسانوی متن میں بیانی شعور بھی خارجی دنیا کو جوں کا توں منعکس نہیں کرتا بلکہ اسے اپنی یادداشت، احساسات، جذبات اور ادراک کی کیفیت کے مطابق از سرِ نو ترتیب دیتا ہے۔ برونر مزید اس بات پر زور دیتے ہیں کہ یادداشت کبھی بھی ماضی کا مکمل ذخیرہ نہیں ہوتی۔ انسانی ذہن ہمیشہ انتخابی انداز میں کام کرتا ہے، جہاں مخصوص واقعات کو موجودہ ذہنی کیفیت، جذباتی تجربے اور شعوری ضرورت کے مطابق دوبارہ ترتیب دیا جاتا ہے۔ اس عمل میں بعض یادیں نمایاں ہو جاتی ہیں، بعض پس منظر میں چلی جاتی ہیں اور بعض نئے مفاہیم اختیار کر لیتی ہیں۔ اس اعتبار سے بیانیہ حقیقت کی لفظی نقل نہیں بلکہ شعور کی تخلیقی تنظیم (Creative Organization of Consciousness) ہے، جس میں ہر تجربہ ذہنی تعبیر کے بعد نئی معنویت حاصل کرتا ہے۔

by certain criteria of narrative or of psychological
adequacy even be “right” if untrue. There are also internal
criteria relating to how one felt or what one intended,
and these are just as demanding,
even if they are not subject to verification.۳

برونر کے نزدیک کسی بیانیے کی معنوی اہمیت اس کی تاریخی صحت سے زیادہ اس کی نفسیاتی صداقت میں مضمر ہوتی ہے۔ ان کے مطابق یہ ضروری نہیں کہ ہر بیان شدہ واقعہ لفظ بہ لفظ حقیقت سے مطابقت رکھتا ہو، بلکہ زیادہ اہم یہ ہے کہ وہ انسانی تجربے کی داخلی سچائی کو کس حد تک آشکار کرتا ہے۔ اسی لیے ایک ایسا بیانیہ بھی نفسیاتی اعتبار سے معتبر ہو سکتا ہے جو تاریخی اعتبار سے مکمل طور پر درست نہ ہو۔ دراصل انسان اپنی زندگی کو واقعات کی زمانی ترتیب میں نہیں بلکہ ان کی معنوی تعبیر کے ذریعے سمجھتا ہے، اور یہی تعبیر اس کی شناخت، احساس اور شعور کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔

رشید امجد کے افسانوی بیانیے میں مرکزی شعوری وجود ہر تجربے کو از سرِ نو پرکھتا، اپنے مشاہدات پر نظرِ ثانی کرتا اور اپنے ہی ادراک کو سوالیہ بناتا رہتا ہے۔ یہ مسلسل ذہنی فعالیت اس کی شخصیت کو ایک متحرک نفسیاتی وجود میں تبدیل کر دیتی ہے، جہاں یقین کے بجائے جستجو، استحکام کے بجائے تغیر اور قطعیت کے بجائے ادراکی بے یقینی غالب رہتی ہے۔ اس تناظر میں کہا جا سکتا ہے کہ رشید امجد کے افسانوی فن کی اصل انفرادیت اس امر میں پوشیدہ ہے کہ وہ افسانے کے مرکز کو واقعات سے منتقل کر کے انسانی شعور میں قائم کر دیتے ہیں۔ ان کے ہاں افسانوی حقیقت کسی خارجی دنیا میں وقوع پذیر نہیں ہوتی بلکہ بیانی شعور کے اندر مسلسل تشکیل پاتی ہے۔ یہی خصوصیت ان کے افسانوں کو جدید ادراکی بیانیات (Cognitive Narratology)، نفسیاتی بیانیہ (Psychological Narrative) اور وجودی تنقید

کے مباحث میں نمایاں مقام عطا کرتی ہے اور ان کے افسانوی راوی کو اردو فکشن کے نفسیاتی مطالعے کا ایک منفرد اور مؤثر نمونہ بناتی ہے عصرِ حاضر کی بیانیاتی تنقید میں بیانیے کو صرف قصہ گوئی یا واقعات کی ترتیب کا نام نہیں دیا جاتا بلکہ اسے انسانی شعور کے عمل، ادراک کی تشکیل اور تجربے کی معنویت کو سمجھنے کا ایک فکری نظام تصور کیا جاتا ہے۔س لیے راوی کی یادداشت، داخلی مکالمہ، جذبات اور ادراک متن کی معنوی ساخت میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔

دیکھا جائے تو اسی تناظر میں ایلن پالمر افسانوی کرداروں کے ذہنی نظام (Fictional Minds) کو بیانیے کی اصل قوت قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک کسی بھی افسانوی متن کو اس وقت تک پوری طرح نہیں سمجھا جا سکتا جب تک کرداروں کے ذہنی اعمال، ان کے ارادے، احساسات اور شعوری سرگرمیوں کو تجزیے کا حصہ نہ بنایا جائے، کیونکہ افسانوی حقیقت انہی ذہنی تعاملات سے وجود میں آتی ہے۔دوسری جانب مونیکا فلوڈرنک بیانیے کی اساس کو انسانی تجربے (Human Experientiality) میں تلاش کرتی ہیں اور یہ واضح کرتی ہیں کہ متن کی معنویت کا سرچشمہ خارجی واقعات نہیں بلکہ وہ داخلی تجربہ ہے جسے کردار یا راوی محسوس کرتا ہے۔ان نظریات کی روشنی میں رشید امجد کے افسانوں کا راوی ایک ایسے بیانی شعور (Narrative Consciousness) کی صورت اختیار کر لیتا ہے جو متن کی فکری سمت، معنوی تشکیل اور نفسیاتی گہرائی کا بنیادی محرک ہے۔اس لیے ان کے افسانوں میں اصل اہمیت واقعات کی نہیں بلکہ اس شعوری اور ادراکی عمل کی ہے جس کے ذریعے راوی خارجی دنیا کو اپنی داخلی کائنات میں جذب کر کے اسے نئے مفاہیم عطا کرتا ہے۔

Fictional Minds argues that the constructions of the minds of fictional characters by narrators and readers are central to our understanding of how novels work because, in essence, narrative is the description of fictional mental functioning. However narratology has neglected the whole minds of fictional characters in action. ۴

ان کے افسانوی مجموعہ "سہ پہر کی خزاں" کی دنیا معنویت اس کے ذہنی اور نفسیاتی تجربات کے ذریعے وجود میں آتی ہے، جہاں یادداشت، جذبات، داخلی کشمکش، نفسیاتی ردِ عمل اور شعوری ادراک باہم مل کر بیانیے کی سمت متعین کرتے ہیں۔اسی لیے ان کے افسانوں میں خارجی واقعات سے زیادہ اہمیت اس داخلی تجربے کو حاصل ہے جس کے ذریعے راوی اپنے گرد موجود دنیا کو سمجھتا اور اس کی تعبیر کرتا ہے۔ نتیجتاً قاری کی توجہ بھی واقعات کی ظاہری ترتیب سے ہٹ کر راوی کے ذہنی سفر اور شعوری تجربے پر مرکوز ہو جاتی ہے۔اس مجموعے کے افسانوں میں راوی کا نفسیاتی بیانیہ ادراکی عمل (Cognitive Process) کی بھرپور نمائندگی کرتا ہے۔وہ صرف اپنے خوف، یادداشت، اضطراب یا تنہائی کا اظہار نہیں کرتا بلکہ اپنے ارد گرد موجود کرداروں کے احساسات، ارادوں اور ممکنہ نفسیاتی کیفیات کی بھی مسلسل تعبیر کرتا رہتا ہے۔اس کے بیانیے میں قطعی فیصلوں کے بجائے امکانات کی فضا قائم رہتی ہے، جس کا اظہار "شاید"، "ممکن ہے"، "مجھے یوں محسوس ہوا" اور "میں سمجھتا ہوں" جیسے لسانی اظہارات سے ہوتا ہے۔یہ اسلوب راوی کے ذہنی تجزیے، ادراکی بے یقینی اور مسلسل شعوری جستجو کی

عکاسی کرتا ہے۔اس طرح افسانوی حقیقت کسی معروضی صورت میں سامنے نہیں آتی بلکہ راوی کے شعور، احساس اور نفسیاتی تجربے سے گزر کر نئی معنویت اختیار کرتی ہے

"شاید اندھیرے میں، شاید روشنی میں،

یا پھر شاید نہ اندھیرے میں نہ روشنی میں "۵

اب یہاں ادراکی طرزِ اظہار راوی کے باطنی انتشار اور ذہنی اضطراب کو نمایاں کرتا ہے۔وہ کسی ایک حتمی حقیقت پر اعتماد قائم نہیں کر پاتا بلکہ مختلف امکانات، یادداشتوں اور قیاسات کے درمیان مسلسل حرکت کرتا رہتا ہے۔اس کے شعور میں ماضی ایک جامد حقیقت نہیں بلکہ ایسا تجربہ بن جاتا ہے جسے وہ ہر لمحہ نئی تعبیر کے ساتھ یاد کرتا ہے۔چنانچہ یادداشت محض گزرے ہوئے وقت کی بازیافت نہیں رہتی بلکہ بیانیے کی تنظیم کرنے والا بنیادی وسیلہ بن جاتی ہے۔ماضی کو از سرِ نو سمجھنے اور اس سے نئے معنی اخذ کرنے کا یہی عمل راوی کی نفسیاتی ساخت کو متعین کرتا ہے۔

"اس نے نئے سرے سے لمحوں کو جوڑنا شروع کیا

لوگوں کو اس کی موت کی اطلاع صبح سویرے ہی مل گئی تھی "۶

عصرِ حاضر کی بیانیاتی تنقید نے بیانیے کے تصور کو محض قصہ گوئی یا واقعات کی زمانی ترتیب تک محدود نہیں رکھا، بلکہ اسے انسانی شعور، ادراک اور تجربے کی تشکیل کے ایک پیچیدہ فکری عمل کے طور پر متعین کیا ہے۔اس زاویۂ نظر کے مطابق افسانوی متن کی معنویت خارجی واقعات سے زیادہ اس ذہنی سرگرمی میں پوشیدہ ہوتی ہے جس کے ذریعے کردار یا بیانی شعور اپنے تجربات کو سمجھتا اور ان کی تعبیر کرتا ہے۔ڈیوڈ ہرمن کے مطابق بیانیہ انسانی ذہن کے ادراکی نظام کو منظم کرنے کا ایک ایسا وسیلہ ہے جس کے ذریعے تجربات باقاعدہ معنی اختیار کرتے ہیں۔اسی لیے یادداشت، داخلی مکالمہ، جذبات اور ادراک افسانوی متن کی ساخت اور معنویت میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔دوسری جانب ایلن پالمر افسانوی دنیا کی تشکیل کو کرداروں کے ذہنی تعامل سے وابستہ کرتے ہیں۔ان کے نزدیک کردار کے ارادے، احساسات، فیصلے اور باہمی ذہنی روابط ہی وہ عناصر ہیں جن کے ذریعے افسانوی حقیقت وجود میں آتی ہے۔مونیکا فلوڈرنک بھی بیانیے کی اساس کو انسانی تجربے میں تلاش کرتی ہیں اور اس امر پر زور دیتی ہیں کہ متن کی اصل معنویت خارجی واقعات سے نہیں بلکہ اس تجربے سے پیدا ہوتی ہے جسے کردار اپنے شعور میں محسوس کرتا ہے۔

افسانوی مجموعہ **"سہ پہر کی خزاں میں "** کا مرکزی شعوری وجود بھی اسی ادراکی نظام کے تحت متحرک دکھائی دیتا ہے۔یہاں بیانیہ واقعات کی ظاہری پیش رفت سے زیادہ اس ذہنی اور جذباتی عمل پر استوار ہے جس کے ذریعے تجربات نئی تعبیر اختیار کرتے ہیں۔یادداشت، احساس، داخلی کشمکش، خوف، تنہائی اور نفسیاتی ردِ عمل باہم مل کر ایسی فضا تشکیل دیتے ہیں جہاں خارجی دنیا کی حقیقت ثانوی اور داخلی تجربہ بنیادی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔نتیجتاً قاری بھی واقعات کے بجائے اس شعوری سفر کا حصہ بن جاتا ہے جس میں حقیقت مسلسل از سرِ نو تشکیل پاتی رہتی ہے۔ان کے افسانوں میں بیانی شعور کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ صرف اپنی داخلی کیفیات ہی نہیں بلکہ دوسروں کے

احساسات، ارادوں اور ذہنی رویّوں کی تعبیر بھی کرتا رہتا ہے۔ اس کے بیانیے میں یقین کے بجائے امکانات، قیاسات اور ادراکی احتیاط غالب رہتی ہے۔

A quest by a hero is not just a quest, it is a decision taken by the hero to go on the quest. In addition, the discourse' may reveal that the decision is taken joyfully, regretfully, fearfully, or whatever."۷

افسانہ، گملے میں اگا ہو پھول "اس ذہنی کیفیت کو عیاں کرتا ہے جہاں راوی کا شعور اپنے ہی جنازے سے بے خبر ماضی کی منتشر یادوں اور حال کی غیر منظم صورتِ حال کے درمیان سرگرداں دکھائی دیتا ہے۔ اس کی توجہ خارجی دنیا کے بجائے اپنے باطن میں جاری ادراکی عمل پر مرکوز رہتی ہے۔ اب راوی کے وجود کا ہر ردِ عمل ایک طویل ذہنی اور جذباتی عمل کے بعد سامنے آتا ہے۔ اس کے فیصلے خوف، یادداشت، خواہش، تذبذب اور وجودی بے چینی کے مختلف مراحل سے گزر کر تشکیل پاتے ہیں۔ اس لیے قاری کو متن کے اندر موجود علامتی اشارات، لسانی رویّوں اور ادراکی اشاروں کو بھی پڑھنا پڑتا ہے، کیونکہ انہی کے ذریعے شخصیت کی باطنی ساخت تدریجاً آشکار ہوتی ہے۔ قاری کو دیکھنا پڑتا ہے کہ مرکزی کردار کی ساری توجہ لمحوں کو جوڑنے پر مرکوز ہے۔ کہانی کی بنت واقعات سے زیادہ کروار کی ذہنی کیفیات سے جنم لیتی ہے، یہی نفسیاتی بیانیہ ہے جس کو رشید امجد کے افسانوں میں راوی نبھاتا ہے۔

افسانہ "سناٹا بولتا ہے " ایک اور موثر مثال ہے۔ ابتدا ہی سے بیانی شعور منتشر ادراک، داخلی اضطراب اور وجودی بے یقینی کا احساس پیدا کرتا ہے۔ کرداروں کی حرکات اپنے ظاہری مفہوم سے زیادہ ان ذہنی محرکات کی نمائندگی کرتی ہیں جو متن میں براہِ راست بیان نہیں کیے گئے۔ یہی غیر مرئی نفسیاتی عمل افسانے کی معنوی ساخت کو منظم کرتا ہے۔ اس افسانے میں تازہ ہوا محض جسمانی ضرورت کی علامت نہیں بلکہ آزادی، نفسیاتی کشادگی اور وجودی نجات کی علامت بن جاتی ہے، جبکہ گٹر ایک ایسی محدود فضا کی نمائندگی کرتا ہے جہاں انسان صرف جسمانی نہیں بلکہ ذہنی اور روحانی سطح پر بھی محصور ہو جاتا ہے۔ یوں یہ علامتی منظر نامہ جدید انسان کے اجتماعی اضطراب اور وجودی گھٹن کی عکاسی کرتا ہے

معلوم نہیں رات کا پہلا پہر ہے درمیانہ یا پچھلا، یا شاید دن ہے
جس نے رات کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے یا پھر شاید رات ہی ہے "۸

اب اس علامتی نظام کو کارل گستاو یونگ کے اجتماعی لاشعور اور رولومے کے وجودی اضطراب کے تصورات سے بھی سمجھا جاسکتا ہے۔ اندھیرا اور روشنی صرف طبعی مظاہر نہیں رہتے بلکہ شعور اور لاشعور، امید اور خوف، یقین اور بے یقینی کی علامتوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ ان دونوں کے درمیان معلق رہنے والی شخصیت ایک ایسے وجود کی نمائندگی کرتی ہے جو معنی، شناخت اور آزادی کی مسلسل تلاش میں ہے، مگر کسی حتمی سکون تک نہیں پہنچ پاتا۔ یہی وجودی بے سمتی رشید امجد کے افسانوی بیانیے کو نفسیاتی اور ادراکی سطح پر غیر معمولی گہرائی عطا کرتی ہے۔ رشید امجد کے افسانوی فن میں شعوری تجربہ ہمیشہ خارجی واقعے پر غالب دکھائی دیتا ہے۔ ان کی تخلیقات میں بیانیہ کسی غیر جانب دار قصہ

گو کی آواز نہیں بلکہ ایک ایسے داخلی شعور کی نمائندگی کرتا ہے جو اپنے تجربات، احساسات اور یادداشتوں کے ذریعے حقیقت کو از سرِ نو مرتب کرتا ہے۔ افسانہ "گملے میں اگا ہوا پھول "میں یہی شعوری ساخت نمایاں ہوتی ہے، جہاں خود شکی، منتشر یادداشت اور ادراک کی تذبذب شخصیت کی بنیادی خصوصیات بن کر سامنے آتے ہیں۔ بیانیہ قطعی دعووں کے بجائے احتمالی طرزِ اظہار اختیار کرتا ہے،

افسانہ سناٹا بولتا ہے میں "، راوی کا کردار اور دیگر تمام کردار گٹر میں جس تازہ ہوا کی تمنا کرتے ہیں وہ جدید دور کے ہر فرد کا المیہ ہے جو اپنی ذات کے حبس میں گرفتار ہے افسانہ "دھوپ میں سیاہ لکیر "بھی اسی شعوری ساخت کی ایک مؤثر مثال ہے۔ بظاہر کہانی ایک معمولی گھریلو خواہش کے گرد گردش کرتی ہے، لیکن بیانی سطح پر یہی خواہش ایک گہرے نفسیاتی تجربے میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ بچی کے لیے شاپنر، پنسل اور ربر جیسی عام اشیا مرکزی شعوری وجود کے لیے محبت، ذمہ داری، محرومی اور بے بسی کی علامت بن جاتی ہیں۔ اس کے نتیجے میں بازار، سڑکیں اور ہجوم اپنی معروضی شناخت کھو دیتے ہیں اور جذباتی تجربے کے تابع ہو کر نئی معنویت اختیار کر لیتے ہیں۔ اس افسانے میں بھی حقیقت براہِ راست نہیں بلکہ شعور کی داخلی تنظیم کے ذریعے قاری تک پہنچتی ہے۔

Existentialism holds that existence precedes essence;
human beings are not born with a fixed nature
but continually define themselves through the choices they make.”۹

یہ تصور رولومے کے وجودی فلسفے سے مکمل مطابقت رکھتا ہے، جس کے مطابق انسان اپنی شناخت کو پہلے سے متعین حقیقت کے طور پر قبول نہیں کرتا بلکہ انتخاب، تجربے اور مسلسل وجودی جدوجہد کے ذریعے اسے تخلیق کرتا ہے۔ رشید امجد کے افسانوں میں بھی یہی تخلیقی عمل نمایاں ہے۔ تنہائی، خوف، یادداشت اور باطنی مکالمہ شخصیت کی داخلی تعمیر میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں "پت جھڑ کے موسم میں "اور "سناٹا بولتا ہے "دونوں افسانوں میں خاموشی، اندھیرا، راستے، ویرانی اور سناّٹا صرف ماحول کی تشکیل کے عناصر نہیں بلکہ ذہنی اور وجودی کیفیت کے علامتی اظہارات ہیں۔ یہ علامات شخصیت کے اندر جاری اس کشمکش کو مجسم کرتی ہیں جہاں یادداشت، خواہش، احساس، حقیقت اور تخیل ایک دوسرے سے مسلسل برسرِ مکالمہ رہتے ہیں۔ یوں افسانے کی اصل حرکت خارجی دنیا میں نہیں بلکہ شعور کی داخلی سطح پر وقوع پذیر ہوتی ہے، اور یہی ذہنی تصادم نفسیاتی بیانی ساخت کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔

وہ کہتا ہے ہم شہر میں ہے اور گٹر نیچے ہیں میں کہتا ہوں ہم گٹر میں ہے اور شہر اوپر ہے، ۱۰

افسانہ "گوڑا گھر میں تازہ ہوا کی خواہش "بھی اسی شعوری ساخت کی ایک مختلف صورت پیش کرتا ہے۔ یہاں خود کلامی، منتشر افکار اور علامتی ماحول مل کر ایسا بیانیہ تشکیل دیتے ہیں جس میں خارجی حقیقت اپنی اصل صورت برقرار نہیں رکھتی بلکہ ذہنی اور جذباتی تجربات کے تابع ہو جاتی ہے۔

افسانہ "طناب کا ٹوٹا خیمہ "میں بھی بیانیہ خارجی واقعات کی بجائے شعوری تجربے کے گرد استوار ہوتا ہے۔ یہاں واقعات اپنی مادی حیثیت سے زیادہ اس ذہنی اور جذباتی اثر کے باعث اہم ہو جاتے ہیں جو شخصیت کے باطن میں پیدا ہوتا ہے۔ اس طرح افسانوی حقیقت آہستہ آہستہ

خارجی دنیا سے منتقل ہو کر داخلی شعور میں مرتکز ہو جاتی ہے، جہاں وجودی اضطراب، نفسیاتی کشمکش اور ادراک کی بے یقینی مل کر متن کی معنوی ساخت کو منظم کرتے ہیں۔

"دونوں شاید ایک بستر پر تھے یا پھر شاید دونوں ایک ساتھ ایک بستر پر نہیں تھے" ۱۱

اس افسانے میں دوسرے کردار بھی معروضی وجود کے طور پر سامنے نہیں آتے بلکہ ان کی شخصیت مرکزی شعور کی تعبیر کے ذریعے تشکیل پاتی ہے۔ ان کے ارادے، احساسات اور رویّے مسلسل قیاس، احتمال اور تشریح کے عمل سے گزرتے ہیں۔ لیز از نشائن کے Theory of Mind کے مطابق انسان دوسروں کی ذہنی کیفیت کو ان کے اعمال کی بنیاد پر سمجھنے کی کوشش کرتا ہے، مگر رشید امجد کے ہاں یہ عمل کبھی مکمل یقین تک نہیں پہنچتا۔ نتیجتاً دوسرے کردار بھی ایک ایسی ذہنی دنیا کا حصہ بن جاتے ہیں جہاں حقیقت ہمیشہ تشریح اور امکان کے درمیان معلق رہتی ہے۔ اس افسانے میں یادداشت بھی ایک فعال نفسیاتی قوت کے طور پر سامنے آتی ہے۔ موجودہ لمحہ اپنی معنویت اسی وقت حاصل کرتا ہے جب وہ ماضی کے کسی تجربے سے جڑ جائے۔ اس طرح ماضی ختم شدہ وقت نہیں رہتا بلکہ شعور میں زندہ رہنے والا ایسا تجربہ بن جاتا ہے جو ہر نئے لمحے کے ساتھ از سرِ نو فعال ہو جاتا ہے۔ یہی اجتراری فکر (Rumination) شخصیت کے ادراک، احساس اور رویّے کو مسلسل تشکیل دیتی رہتی ہے

یہ ذہنی اضطراب بیانی اسلوب میں بھی پوری شدت کے ساتھ منعکس ہوتا ہے۔ سوالیہ جملے، وقفے، ادھورے بیانات اور خود کلامی اس بات کی علامت ہیں کہ شعور کسی حتمی نتیجے پر پہنچنے کے بجائے مسلسل اپنی ہی تعبیرات کا جائزہ لیتا رہتا ہے۔ یہی داخلی مکالمہ شخصیت کی نفسیاتی تشکیل کا بنیادی وسیلہ بن جاتا ہے اور افسانے کی فکری و معنوی تنظیم اسی کے گرد استوار ہوتی ہے۔ افسانہ "دھوپ میں سیاہ لکیر" میں بھی فطرت کے مناظر اپنی معروضی حیثیت برقرار نہیں رکھتے بلکہ شعوری تجربے کا حصہ بن جاتے ہیں۔ بادلوں کو "غیر دوستانہ" اور شام کو "شرماتی" یا "لجاتی" قرار دینا اس امر کا ثبوت ہے کہ خارجی منظر نامہ داخلی احساسات کی توسیع میں تبدیل ہو چکا ہے۔ نفسیاتی اصطلاح میں اس کیفیت کو Projection کہا جاتا ہے، جہاں فرد اپنی داخلی کیفیات کو خارجی اشیا اور مظاہر پر منتقل کر دیتا ہے۔ اس طرح فطرت کا ہر منظر شخصیت کے باطن کی تصویری شکل اختیار کر لیتا ہے، اور یہی عمل افسانے کے نفسیاتی بیانیے کو مزید گہرائی عطا کرتا ہے۔

افسانہ "دھوپ میں سیاہ لکیر" میں شخصیت کی داخلی دنیا اس حد تک غالب آ جاتی ہے کہ خارجی ماحول اپنی معروضی اہمیت کھو دیتا ہے۔ بازار کی رونق، سڑکوں کی چہل پہل اور لوگوں کی آمد و رفت پس منظر میں چلی جاتی ہے، جبکہ ایک معمولی سی خواہش——بچی کے لیے شاپنر، پنسل اور ربر لانے کی ذمہ داری پورے شعوری نظام پر حاوی ہو جاتی ہے۔ یہی بظاہر معمولی اشیا جذباتی وابستگی، احساسِ ذمہ داری اور معاشی بے بسی کی علامت بن کر سامنے آتی ہیں۔ اس طرح افسانوی حقیقت خارجی مناظر سے منتقل ہو کر داخلی احساسات میں مرکوز ہو جاتی ہے۔ یادداشت، جذبات اور تخیل اس شدت سے ایک دوسرے میں جذب ہو جاتے ہیں کہ حقیقت اور تصور کے درمیان امتیاز باقی نہیں رہتا۔ نتیجتاً قاری بیرونی دنیا کا نہیں بلکہ ایک ایسے شعوری تجربے کا مشاہدہ کرتا ہے جو پوری افسانوی فضا کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ یہی اسلوب رشید امجد کے نفسیاتی بیانیے کی انفرادیت کو نمایاں کرتا ہے۔

افسانہ "میلہ جو تالاب میں ڈوب گیا" بھی اسی داخلی ساخت کو ایک مختلف علامتی پیرائے میں پیش کرتا ہے۔ ابتدا ہی سے واضح ہو جاتا ہے کہ بیانیہ واقعات کی زمانی ترتیب کے بجائے ذہنی تجربے کی تشکیل پر استوار ہے۔ یہاں خارجی مناظر صرف پس منظر فراہم کرتے ہیں، جبکہ اصل توجہ اس نفسیاتی کیفیت پر مرکوز رہتی ہے جس کے ذریعے شعور اپنے تجربات کو معنی عطا کرتا ہے۔ تنہائی، خوف، یادداشت اور وجودی بے چینی مل کر ایسی فضا پیدا کرتے ہیں جہاں حقیقت کی بنیاد مادی دنیا کے بجائے باطنی احساسات پر قائم ہوتی ہے

رات کے وقت سمندر میرے گھر سے تیرہ سو چھبیس کلو میٹر دور ہوتا ہے
لیکن جونہی رات گھنی سیاہ پلکیں اٹھا کر شہر کے چوک میں اترتی ہے
سمندر رینگتا رینگتا میرے کمرے کی دیوار سے آلگتا ہے،۱۲

اسی لیے سمندر کا استعارہ جغرافیائی حقیقت سے آگے بڑھ کر ایک ذہنی تجربہ بن جاتا ہے۔ اگرچہ شعوری سطح پر فاصلے کا ادراک موجود ہے، لیکن جذباتی شدت اس فاصلے کو ختم کر دیتی ہے اور سمندر گویا خاموشی سے وجود کے اندر اترنے لگتا ہے۔ اس منظر میں خارجی دنیا اپنی اصل صورت برقرار نہیں رکھتی بلکہ ذہنی احساسات کے مطابق نئی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اس طرح حقیقت مشاہدے سے زیادہ احساس کی پیداوار معلوم ہوتی ہے۔ افسانے کا ایک اہم فنی پہلو یہ بھی ہے کہ جذبات کا اظہار براہِ راست نہیں کیا جاتا۔ خوف، تنہائی اور اضطراب کو علامتی تصویروں میں جذب کر دیا گیا ہے۔ سمندر کا آہستہ آہستہ دیوار تک سرک آنا کسی طبعی حرکت کی تصویر نہیں بلکہ اس خاموش ذہنی دباؤ کا استعارہ ہے جو آہستہ آہستہ شخصیت کو اپنے حصار میں لے لیتا ہے۔ یہی علامتی اظہار متن کو محض واقعہ نگاری سے بلند کر کے نفسیاتی بیانیے کی سطح پر لے آتا ہے۔

ایلن پالمر کے تصور Mental Functioning کی روشنی میں اس افسانے کی معنویت مزید واضح ہوتی ہے۔ یہاں شخصیت کی شناخت اس کے اعمال سے زیادہ اس کے ذہنی تعاملات سے وابستہ ہے۔ مشاہدہ، تعبیر، یادداشت اور احساس ایک دوسرے سے اس طرح مربوط ہیں کہ خارجی دنیا ہمیشہ داخلی شعور کے ذریعے از سرِ نو تشکیل پاتی ہے۔ افسانوی مرکز بھی کسی خارجی واقعے کے بجائے اسی ذہنی فعالیت میں منتقل ہو جاتا ہے۔

"اور سرمئی دھند کے دوسری طرف اس کی بیوی تعزیت کے لئے آنے والوں کو بتا رہی ہے
کہ پرسوں رات گئے گھر آتے ہوئے وہ گلی کی نکڑ پر پہنچا تو اچانک
اس پر دل کا دورہ پڑا اور پھر پھسک پھسک کر رونے لگتی ہے،۱۳

جیروم برونر کی Narrative Psychology بھی اس تعبیر کی تائید کرتی ہے۔ ان کے مطابق انسان اپنی زندگی کو واقعات کی صورت میں محفوظ نہیں رکھتا بلکہ یادداشت اور تعبیر کے ذریعے ہر تجربے کو نئی معنویت عطا کرتا ہے۔ اسی زاویۂ نظر سے دیکھا جائے تو اس افسانے میں سمندر قدرتی منظر نہیں بلکہ شعور میں تشکیل پانے والا ایک جذباتی اور نفسیاتی استعارہ ہے۔ اس لیے قاری جغرافیائی حقیقت کو نہیں بلکہ شخصیت کے داخلی تجربے کو پڑھتا ہے۔

یہ تمام عناصر اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ رشید امجد کے ہاں افسانوی حقیقت کا سرچشمہ خارجی دنیا نہیں بلکہ انسانی شعور کی داخلی حرکت ہے۔ رات، سمندر، کمرہ اور خاموشی سب وجودی تجربے کے مختلف استعارے بن جاتے ہیں، جن کے ذریعے شخصیت اپنے باطن کی پیچیدہ کیفیت کو معنی دیتی ہے۔ یہی انداز ان کے افسانوں کو روایتی حقیقت نگاری سے الگ اور جدید نفسیاتی بیانیے سے قریب تر بناتا ہے۔ اسی داخلی ساخت کا تسلسل اس وقت مزید نمایاں ہوتا ہے جب سماعت اور بصارت ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں۔ آوازیں موجود ہیں مگر ان کے حامل وجود دکھائی نہیں دیتے۔ اس کیفیت میں شعور مادی حقیقت سے زیادہ ان باطنی ارتعاشات سے وابستہ ہو جاتا ہے جو یادداشت، خوف اور تنہائی کے امتزاج سے پیدا ہوتے ہیں۔ یوں آوازیں خارجی اطلاع نہیں رہتیں بلکہ ذہنی اضطراب کی علامتی بازگشت بن جاتی ہیں۔

"یہ شہر بہت پراسرار ہے یہاں لوگ جاگ رہے ہیں پھر بھی سو رہے ہیں سو رہے ہیں پھر بھی جاگ رہے ہیں، ۱۴"

وقت کا تصور بھی اسی نفسیاتی منطق کے تحت تشکیل پاتا ہے۔ "پرکٹے کبوتر" کی تمثیل وقت کو محض زمانی پیمانے کے طور پر پیش نہیں کرتی بلکہ اسے وجود پر مسلط ایک مسلسل ذہنی بوجھ میں تبدیل کر دیتی ہے۔ آزادی کی خواہش موجود رہتی ہے، مگر شعور اس بوجھ سے نجات حاصل نہیں کر پاتا۔ اس طرح وقت ایک فلسفیانہ تصور کے بجائے وجودی اضطراب، ذہنی تھکن اور داخلی بے بسی کی علامت بن جاتا ہے۔

یہی داخلی تصادم افسانہ **"دھندریت"** میں ایک مختلف صورت اختیار کرتا ہے۔ بظاہر معاشی مسائل اور سماجی محرومیاں مرکزی مسئلہ دکھائی دیتی ہیں، لیکن گہری سطح پر اصل کشمکش شناخت، بے بسی اور وجودی اضطراب کی ہے۔ معاشی دباؤ محض خارجی مسئلہ نہیں رہتا بلکہ شخصیت کے باطن میں ایک مستقل نفسیاتی بحران پیدا کر دیتا ہے، جس کے نتیجے میں ہر تجربہ ذہنی اور جذباتی تناؤ کا حصہ بن جاتا ہے۔

نفسیاتی بیانیے کے تناظر میں شخصیت کی شناخت بھی اس کے ظاہری اعمال سے نہیں بلکہ ادراک، یادداشت، داخلی مکالمے اور ذہنی تعامل سے متعین ہوتی ہے۔ وہ مسلسل اپنے اور دوسروں کے تجربات کی تعبیر کرتی ہے، متضاد احساسات کے درمیان معنوی ربط تلاش کرتی ہے اور وجودی سوالات کے ساتھ ایک دائمی مکالمہ جاری رکھتی ہے۔ اسی مسلسل جستجو کے باعث اس کی شناخت کبھی جامد نہیں رہتی بلکہ ہر نئے تجربے کے ساتھ از سرِ نو تشکیل پاتی ہے۔ یوں یہ واضح ہوتا ہے کہ رشید امجد کے افسانوں میں بیانیے کی اصل قوت خارجی واقعات میں نہیں بلکہ شعور کی داخلی حرکت، یادداشت، ادراک اور وجودی تجربات میں مضمر ہے۔ ان کے افسانوں میں معنی واقعات کی زمانی ترتیب سے نہیں بلکہ ان ذہنی اور جذباتی عملوں سے تشکیل پاتے ہیں جن کے ذریعے انسانی شعور اپنے تجربات کی تعبیر کرتا ہے۔ اس اعتبار سے ان کا افسانوی فن جدید اردو افسانے میں نفسیاتی اور ادراکی بیانیے کی ایک اہم مثال کے طور پر سامنے آتا ہے۔

"دروازہ کھلتا ہے اس کی بیوی لپک کر کہتی ہے شکر ہے آپ

پھر فوراً گھبرا کر پیچھے ہٹ جاتی ہے کون ہیں آپ؟ ۱۵"

اس کی یادداشت بار بار ماضی کی طرف لوٹتی ہے اور وہ حال کو بھی انہی یادوں کے ذریعے سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کیفیت کو جدید نفسیات میں Rumination (اجتراری فکر) کہا جاتا ہے، جہاں انسان ایک ہی خیال یا تجربے کو بار بار ذہن میں دہراتا رہتا ہے اور اس سے نجات حاصل نہیں کر پاتا۔ راوی کی زبان میں سوالیہ انداز، توقف، ادھورے جملے اور خود سے مکالمہ اس کے منتشر شعور کی علامت ہیں۔ وہ

قطعی فیصلے کرنے کے بجائے اپنے ہی احساسات پر غور کرتا رہتا ہے۔ یہی داخلی مکالمہ (Internal Monologue) اس کے نفسیاتی بیانیے کی بنیاد بنتا ہے۔

اوپر غیر دوستانہ انداز میں ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے بادل،

"نیچے شرماتی، لجاتی شام، وہ ایک نظر بادلوں پر اور دوسری شام پر ڈالتا ہے۔" ۱۶

یہ افسانہ اس حقیقت کی تصدیق کرتا ہے کہ نفسیاتی بیانیے میں واقعات اپنی ظاہری ترتیب سے زیادہ اس داخلی تجربے کی وجہ سے اہمیت اختیار کرتے ہیں جس کے ذریعے کردار انہیں محسوس کرتا اور نئی معنویت عطا کرتا ہے۔ راوی کے لیے آواز، وقت اور اپنی ذات تینوں ایک ایسی نفسیاتی علامتی دنیا تشکیل دیتے ہیں جہاں افسانوی حقیقت کا سرچشمہ خارجی دنیا نہیں بلکہ انسانی شعور، یادداشت اور وجودی احساسات بن جاتے ہیں۔ یہی اسلوب رشید امجد کے افسانوی بیانیے کو جدید اردو افسانے میں منفرد شناخت عطا کرتا ہے اور ان کے راوی کو نفسیاتی اور ادراکی تنقید کے لیے ایک نہایت اہم مطالعہ بنا دیتا ہے۔ افسانہ "دھندریت" بھی اس حقیقت کی توثیق کرتا ہے کہ رشید امجد کے ہاں انسانی زندگی کا اصل المیہ خارجی حالات سے زیادہ داخلی سطح پر وقوع پذیر ہوتا ہے۔ بظاہر کردار معاشی دباؤ، محرومی اور روزمرہ زندگی کی مشکلات کا سامنا کرتا دکھائی دیتا ہے، لیکن اس کی شخصیت کا حقیقی بحران اس کے باطن میں جنم لیتا ہے، جہاں وجودی بے چینی، شناخت کی تلاش اور ذہنی انتشار مسلسل اس کے شعور کو متاثر کرتے رہتے ہیں۔ اس اعتبار سے خارجی مسائل محض ایک پس منظر فراہم کرتے ہیں، جب کہ افسانے کی اصل معنویت کردار کے نفسیاتی ردِ عمل اور داخلی تجربے سے تشکیل پاتی ہے۔

"سمندر رینگتا رینگتا میرے کمرے کی دیوار سے آلگتا ہے" ۱۷

رشید امجد کے افسانوی راوی کی انفرادیت اسی امر میں مضمر ہے کہ وہ روایتی قصہ گوئی کے تصور سے آگے بڑھ کر ایک فعال شعوری وجود کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اس کا کردار صرف واقعات کو بیان نہیں کرتا بلکہ اپنی یادداشت، احساس، داخلی مکالمے، جذباتی ردِ عمل اور ذہنی اضطراب کے ذریعے افسانوی حقیقت کو از سرِ نو ترتیب دیتا ہے۔ اس لیے اس کے ہاں بیانیہ خارجی دنیا کا عکس نہیں بلکہ شعور کی داخلی حرکت کا اظہاریہ بن جاتا ہے، جہاں ہر تجربہ اپنی نفسیاتی تعبیر کے بعد ہی معنویت حاصل کرتا ہے۔

وقت ایک پر کٹے کبوتر کی طرح میرے کندھے پر بیٹھا ہوا ہے،

میں اسے ہش ہش کر کے اڑانے کی کوشش کرتا ہوں،

میری بیوی مجھے بڑی احتیاط سے طے کر کے کتابوں کی الماری میں رکھ دیتی ہے" ۱۸

ان افسانوں کا مرکزی شعور خارجی حقیقت کو جوں کا توں قبول نہیں کرتا بلکہ یادداشت، احساس، ادراک اور تخیل کے امتزاج سے اسے نئے مفاہیم عطا کرتا ہے۔ اسی عمل کے دوران حقیقت ایک جامد تصور کے بجائے متحرک تجربہ بن جاتی ہے، جو ہر لمحہ نئی تعبیر اختیار کرتا ہے۔ اس شعوری فعالیت کے باعث افسانوی دنیا کسی معروضی حقیقت کی نمائندہ نہیں رہتی بلکہ انسانی ذہن کی تخلیقی اور نفسیاتی ساخت کی عکاس بن جاتی ہے۔ افسانہ دھندریت کا کردار جہاں معاشی بوجھ سے خارج کے دکھ دیکھ رہا ہے وہاں وہ داخلی طور پر شدید ہیجان کا شکار ہے

"یہ طویل برس اس نے مشقتوں کے پہاڑ چڑھتے گزارے تھے، نئے شہر کی رنگی برنگی روشنیوں
اسے کئی بار اپنا شہر یاد آیا"۱۹

اس مطالعے سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ رشید امجد کے افسانوں میں شخصیت کی تشکیل اس کے ظاہری اعمال سے زیادہ اس کے ذہنی اور ادراکی عمل سے وابستہ ہے۔ یادداشت، داخلی مکالمہ، جذباتی اضطراب، تشکیک اور وجودی سوالات مل کر ایسا شعوری نظام تشکیل دیتے ہیں جس میں شناخت ایک مستقل اور طے شدہ حقیقت نہیں رہتی بلکہ مسلسل ارتقاپذیر عمل کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ شخصیت ہر نئے تجربے کے ساتھ اپنے وجود کو از سرِ نو سمجھنے اور اس کی نئی تعبیر کرنے کی کوشش کرتی ہے، جس کے باعث افسانوی بیانیہ بھی مسلسل حرکت اور تبدیلی کی کیفیت سے گزرتا رہتا ہے

حوالہ جات

۱)https://ewasteschools.pbworks.com/f/Bruner_J_LifeAsNarrative.pdf

۲)https://ewasteschools.pbworks.com/f/Bruner_J_LifeAsNarrative.pdf(

۳)https://ewasteschools.pbworks.com/f/Bruner_J_LifeAsNarrative.pdf(

۴)https://www.scribd.com/doc/89279821/Alan-Palmer-Fictional-Minds

۵)رشید امجد، افسانوی مجموعہ سہ پہر کی خزاں، اردو رائٹرس گلڈ آلہ آباد 1988ص 14

۶)ایضاً 11

۷)(Alan Palmer, Fictional Minds, p. 31)

۸)رشید امجد، افسانوی مجموعہ سہ پہر کی خزاں، اردو رائٹرس گلڈ آلہ آباد 1988ص 16

۹)https://www.scribd.com/document/670058229/Rollo-May#google_vignette

۱۰)رشید امجد، افسانوی مجموعہ سہ پہر کی خزاں، اردو رائٹرس گلڈ آلہ آباد 1988ص 22

۱۱)رشید امجد، افسانوی مجموعہ سہ پہر کی خزاں، اردو رائٹرس گلڈ آلہ آباد 1988ص ۱۱

۱۲)رشید امجد، افسانوی مجموعہ سہ پہر کی خزاں، اردو رائٹرس گلڈ آلہ آباد 1988ص ۳۰

۱۳)رشید امجد، افسانوی مجموعہ سہ پہر کی خزاں، اردو رائٹرس گلڈ آلہ آباد 1988ص ۶۲

۱۴) ارشید امجد، افسانوی مجموعہ سہ پہر کی خزاں، اردو رائٹرس گلڈ آلہ آباد 1988

۱۵)رشید امجد، افسانوی مجموعہ سہ پہر کی خزاں، اردو رائٹرس گلڈ آلہ آباد 1988ص ۷۱

۱۶)رشید امجد، افسانوی مجموعہ سہ پہر کی خزاں، اردو رائٹرس گلڈ آلہ آباد 1988ص 54

۱۷:ایضاً، 30

۱۸ایضاً 30

۱۹ایضاص 72